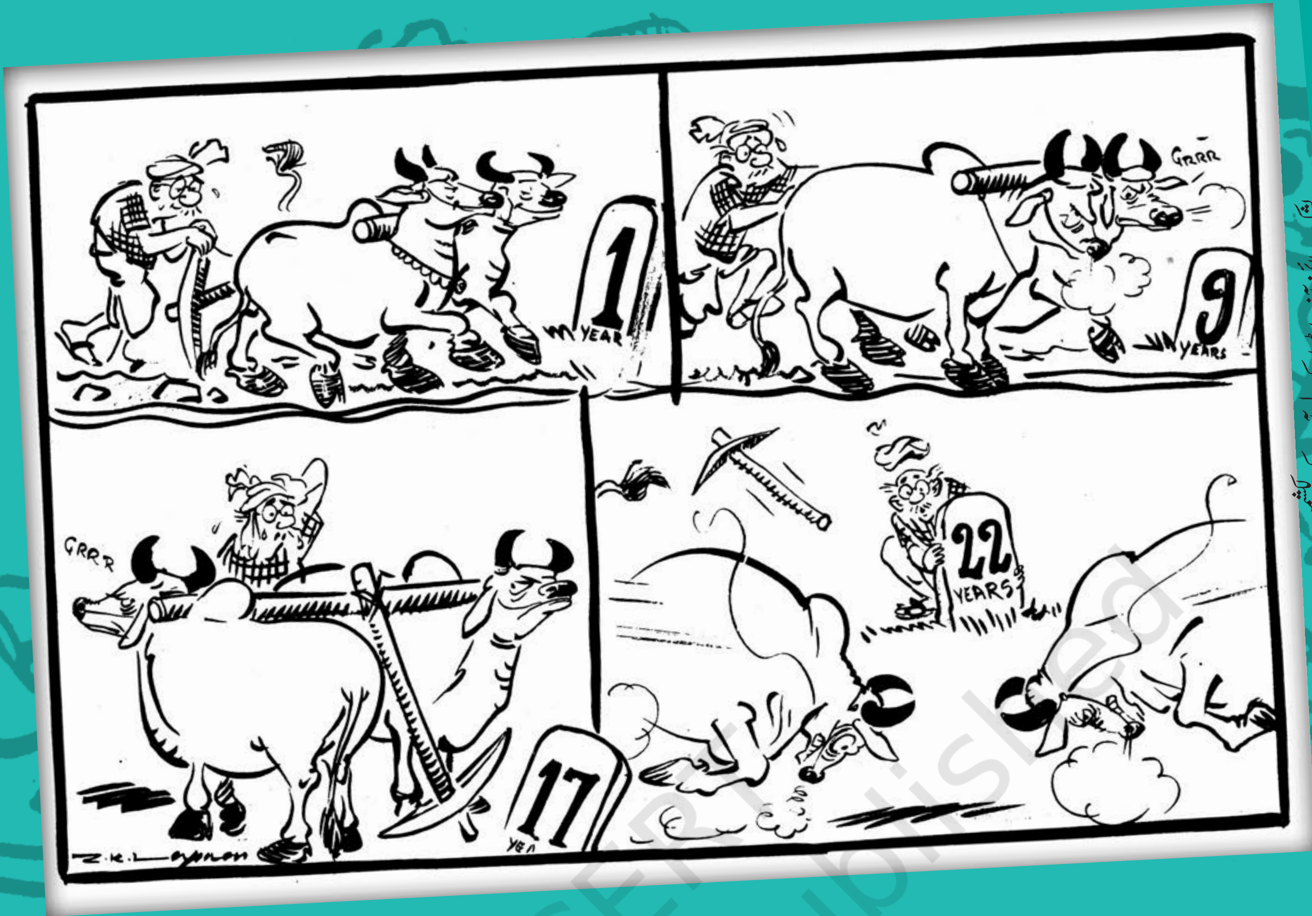

بشکریہ: ٹائمز آف انڈیا کے لیے آر کے لکشمن

اس باب میں ...

دوسرے باب میں ہم نے کانگریس سسٹم کے ظہور کا مطالعہ کیا تھا۔ اس سسٹم کو ساٹھ کی دہائی میں پہلی مرتبہ چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ جوں جوں سیاسی مقابلہ آرائی زور پکڑتی گئی کانگریس کو اپنی بالادستی قائم رکھنے میں دشواری پیش آتی گئی۔ اسے ایسی اپوزیشن سے سامنا کرنا پڑا جو پہلے سے زیادہ طاقت ور اور متحد تھی۔ کانگریس کو خود اپنے اندر چیلنج کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ پارٹی اب مختلف قسم کے تمام خیالات کو جگہ نہیں دے سکتی تھی۔ اس باب میں ہم کہانی کو وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں دوسرے باب میں چھوڑی تھی تا کہ:

- یہ سمجھ سکیں کہ نہرو کے بعد سیاسی تبدیلیاں کس طرح ظہور میں آئیں؛
- یہ بیان کر سکیں کہ اپوزیشن اتحاد اور کانگریس کی تفریق نے کانگریس کی بالادستی کو کن خطرات سے دوچار کیا؛
- یہ وضاحت کر سکیں کہ اندرا گاندھی کی قیادت میں ایک نئی کانگریس نے کس طرح ان چیلنجوں پر قابو حاصل کیا؛ اور
- اس بات کا تجزیہ کر سکیں کہ نئی پالیسیوں اور نئے نظریات نے کانگریس کی بالادستی کو پھر سے قائم کرنے میں کس طرح مدد کی۔

کانگریس کا اولین انتخابی نشان دو بیلوں کی جوڑی تھا۔ یہ مشہور کارٹون کانگریس کی اُن اندرونی تبدیلیوں کو بیان کرتا ہے جو آزادی کے بائیسویں سال میں ایک کھلے ٹکراؤ کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

باب 5

کانگریس سسٹم کو درپیش چیلنج اور اس کی بحالی

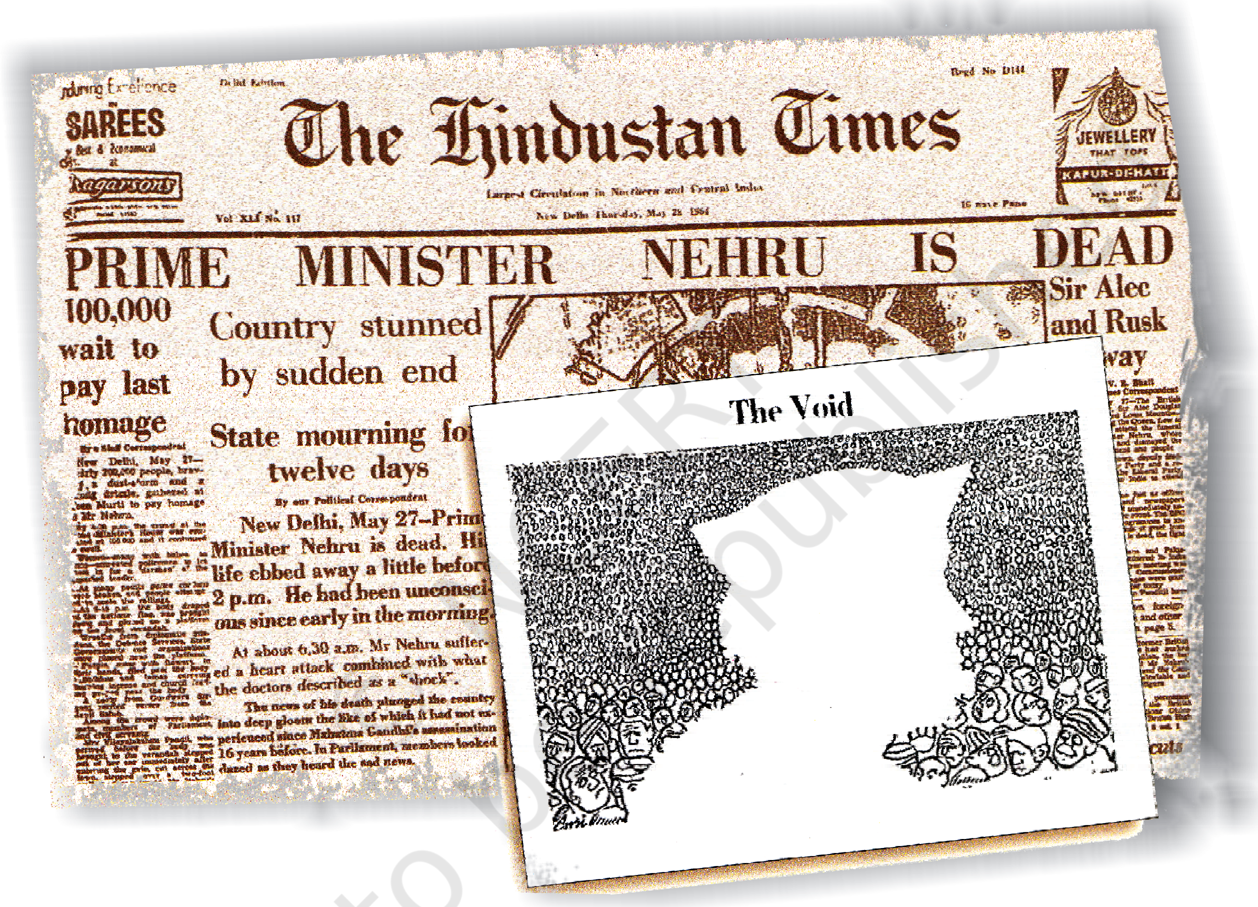
The Hindustan Times

SAREES

JEWELLERY

PRIME MINISTER NEHRU IS DEAD

100,000 wait to pay last homage

Country stunned by sudden end

State mourning for twelve days

By our Political Correspondent

New Delhi, May 27—Prime Minister Nehru is dead. His life ebbed away a little before 2 p.m. He had been unconscious since early in the morning.

At about 6.30 a.m. Mr Nehru suffered a heart attack combined with what the doctors described as a "shock".

The news of his death plunged the country into deep gloom the like of which it had not experienced since Mahatma Gandhi's assassination 16 years before. In Parliament, members looked dazed as they heard the sad news.

Sir Alec and Rusk

The Void

سیاسی جانشینی کا چیلنج

مئی 1964 میں وزیراعظم جواہرلعل نہرو کا انتقال ہوگیا۔ وہ ایک سال سے زیادہ عرصہ سے بیمار چل رہے تھے جس کی وجہ سے ان کی جانشینی کے بارے میں قیاس آرائیاں ہونے لگیں تھیں۔ لیکن ہندوستان جیسے نوآزاد ملک کے لیے اس صورت حال میں اس سے بھی زیادہ سنجیدہ سوال اٹھنے لگے اور وہ یہ کہ نہرو کے بعد کیا ہوگا؟

دوسرا سوال دراصل اس لیے سامنے آیا کہ اکثر باہری لوگوں کو یہ شبہہ تھا کہ نہرو کے بعد ہندوستان میں جمہوریت کا تجربہ اور عمل ختم ہو جائے گا۔ اندیشہ یہ تھا کہ بہت سے نئے آزاد شدہ ملکوں کی طرح ہندوستان بھی سیاسی وراثت کے عمل کو جاری نہیں رکھ سکے گا۔ اور اس ناکامی کا مطلب تھا کہ سیاسی کردار فوج کے ہاتھ میں آجائے گا۔ اس کے علاوہ یہ شبہات بھی گردش کر رہے تھے کہ کیا نئی قیادت ان کثیر جہتی بحرانوں کا سامنا کر سکے گی جو اسے درپیش تھے۔ ساتھ

کی دہائی کو ایک ’خطرناک دہائی‘ کا نام دیا گیا تھا کیوں کہ اس وقفے میں غیر حل شدہ مسائل جیسے غریبی، عدم مساوات، علاقائی اور مذہبی تفریق وغیرہ وغیرہ جمہوری عمل کو ناکام بنا سکتے تھے یا ملک کو ٹکڑوں میں بانٹ سکتے تھے۔

نہرو سے شاستری تک

جس آسانی کے ساتھ نہرو کی جانشینی کا فیصلہ ہوا اس نے تمام ناقدین کو غلط ثابت کر دیا۔ جب نہرو کا انتقال ہوا تو کانگریس کے صدر، کے۔ کامراج نے پارٹی کے قائدین اور پارلیمنٹ کے ممبران سے مشورہ کیا۔ لال بہادر شاستری کے نام پر سب نے اتفاق کیا۔ وہ بغیر کسی مقابلے کے کانگریس پارلیمانی پارٹی کے رہنما منتخب کیے گئے اور اس طرح ملک کے اگلے وزیر اعظم بنے۔ شاستری اتر پردیش کے ایک غیر متنازع لیڈر تھے اور کئی سال تک نہرو کی کابینہ میں وزیر رہے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں نہرو ان پر بہت زیادہ بھروسہ کرنے لگے تھے۔ وہ اپنے اصولوں پر سختی سے کاربند رہے تھے اور اپنی سادگی کی وجہ سے جانے جاتے تھے۔ اس سے پہلے انھوں نے ایک بڑے ریلوے حادثہ کی اخلاقی ذمے داری قبول کرتے ہوئے کابینہ سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

لال بہادر شاستری (1904-1966):
ہندوستان کے وزیر اعظم؛ 1930 سے آزادی کی جدوجہد میں شامل؛ اتر پردیش کابینہ میں وزیر؛ کانگریس کے جنرل سکریٹری؛ 1951 سے 1956 تک مرکزی کابینہ کے وزیر؛ بعد میں ریلوے حادثہ کی وجہ سے استعفیٰ؛ پھر 1957 سے 1964 تک وزیر رہے۔ ’جے جوان جے کسان‘ کا نعرہ دیا۔

شاستری 1964 سے 1966 تک ہندوستان کے وزیر اعظم رہے۔ ان کی وزارتِ عظمیٰ کے اس مختصر عرصے میں ملک نے دو بڑی مشکلات کا سامنا کیا۔ ابھی ہندوستان چین سے جنگ کے بعد کے معاشی اثرات ہی سے الجھا ہوا تھا کہ بارش کی کمی، خشک سالی اور خوراک کی کمی نے ایک اور بڑا چیلنج کھڑا کر دیا۔ جیسا کہ پہلے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے 1965 میں ملک نے پاکستان کے ساتھ جنگ کا سامنا بھی کیا۔ شاستری کا دیا ہوا مشہور نعرہ ’جے جوان جے کسان‘ در اصل انھیں چیلنجوں کا سامنا کرنے کے لیے ملک کے حوصلہ کی ایک علامت ہے۔

شاستری کا وزارتِ عظمیٰ کا دور 10 جنوری 1966 کو ختم ہو گیا جب وہ تاشقند میں، جو اُس وقت سوویت یونین کا حصہ تھا اور اب ازبکستان کی راجدھانی ہے، اچانک انتقال کر گئے۔ اس وقت وہ پاکستان کے صدر محمد ایوب خان سے جنگ ختم کرنے کے ایک معاہدہ پر گفت وشنید کر رہے تھے۔

”.... ہندستان کے نئے وزیر اعظم کے نام کا اعلان‘ برطانوی وزیر اعظم کے مقابلہ میں‘ زیادہ سرعت اور احترام کے ساتھ ہوا ھے“

3/ جون 1964 کو لندن کے اخبار The Guardian کا اداریہ۔ نہرو کے بعد سیاسی جانشینی اور برطانیہ میں ہیرلڈ میک ملن کے بعد جانشینی کے ڈارمہ کا موازنہ کرتے ہوئے۔

شاستری سے اندرا گاندھی تک

اس طرح سے کانگریس نے دو سال کے اندر اندر دو مرتبہ سیاسی جانشینی کے مسئلہ کا سامنا کیا۔ اس بار مرار جی ڈیسائی اور اندرا گاندھی کے درمیان قیادت کے لیے سخت مقابلہ ہوا۔ اس سے پہلے مرار جی ڈیسائی بمبئی ریاست (موجودہ مہاراشٹر اور گجرات) کے وزیر اعلیٰ اور مرکزی وزیر رہ چکے تھے۔ جواہر لعل نہرو کی بیٹی اندرا گاندھی کانگریس کی صدر رہ چکی تھیں اور شاستری کی کابینہ میں اطلاعات ونشریات کی وزیر بھی تھیں۔ اس وقت پارٹی کے بزرگ لیڈروں نے اندرا گاندھی کی حمایت کا فیصلہ کیا لیکن یہ فیصلہ متفقہ نہیں تھا۔ اس مقابلے کا فیصلہ کانگریس کے پارلیمنٹ کے ممبران نے

بشکریہ: آر۔ کے۔ لکشمن، ٹائمز آف انڈیا، 18 جنوری 1966

خفیہ ووٹنگ کے ذریعے کیا۔ اندرا گاندھی نے مرارجی ڈیسائی کو اس مقابلے میں دو تہائی ووٹوں سے شکست دی۔ اس مرتبہ اگرچہ قیادت کے لیے سخت مقابلہ ہوا لیکن اقتدار کی منتقلی پُر امن تھی اور اس کو ہندوستانی جمہوریت کی پختگی کی علامت مانا گیا۔

نئے وزیر اعظم کو مستحکم ہونے میں کچھ وقت لگا۔ اگرچہ اندرا گاندھی ایک طویل عرصے سے سیاسی طور سے سرگرم عمل تھیں انھوں نے لال بہادر شاستری کی کابینہ میں ایک مختصر مدت وزیر اطلاعات و نشریات کی حیثیت سے ہی گزاری۔ بزرگ کانگریسی رہنماؤں نے اندرا گاندھی کی حمایت اس امید پر کی تھی کہ ان کی سیاسی اور انتظامی ناتجربہ کاری

اندرا گاندھی (1917-1984) 1966 سے 1977 اور 1980 سے 1984 تک ہندوستان کی وزیر اعظم؛ جواہر لعل نہرو کی بیٹی؛ جدوجہد آزادی میں ایک نوجوان کارکن کی حیثیت سے حصہ لیا؛ 1958 میں کانگریس کی صدر؛ 1954 سے 1966 تک شاستری کی کابینہ میں وزیر؛ کانگریس پارٹی کو 1967، 1971 اور 1980 کے الیکشنوں میں فتح یاب کیا، ’غریبی ہٹاؤ‘ کا نعرہ دیا؛ 1971 کی جنگ میں کامیابی؛ نوابوں اور راجاؤں کی تنخواہوں یعنی (پریوی پرس) کا خاتمہ؛ بینکوں کو قومی تحویل میں لینا؛ نیوکلیائی تجربہ اور ماحولیاتی تحفظ جیسی پالیسیوں کو متعارف کرایا؛ 31 اکتوبر 1984 کو قتل کر دی گئیں۔

بشکریہ: رگھورائے

بالآخر انھیں ان ہی کو ہدایت اور رہنمائی پر انحصار کرنے کے لیے مجبور کر دے گی۔ وزیراعظم بننے کے ایک سال کے اندر ہی اندرا گاندھی کو لوک سبھا کے عام انتخابات میں پارٹی کی کمان سنبھالنی پڑی۔ اس وقت تک ملک کی اقتصادی حالت اور خراب ہو چکی تھی جس نے ان کی مشکلوں میں اور اضافہ کر دیا۔ ان تمام مشکلات میں گھری ہوئی اندرا گاندھی نے پارٹی کو اپنے ہاتھ میں لینے اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے استعمال اور اظہار کا فیصلہ کیا۔

چوتھے عام انتخابات، 1967

ہندوستان کی سیاسی اور انتخابات کی تاریخ میں 1967 ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسرے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح 1952 کے بعد سے کانگریس پورے ملک میں ایک زبردست سیاسی قوت بنی رہی۔ 1967 کے الیکشن کے بعد اس رجحان میں قابل ذکر تبدیلی آئی۔

انتخابات کا پس منظر

چوتھے عام انتخابات یا جنرل الیکشن آنے تک ملک میں بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ایک مختصر عرصے میں دو وزیراعظم انتقال کر گئے تھے اور نئے وزیراعظم کو جسے سیاست کے میدان میں نو وارد تصور کیا جاتا تھا' کرسی سنبھالے ہوئے ایک سال سے بھی کم کا عرصہ ہوا تھا۔ تیسرے باب اور اس باب کی ابتدا کے مطالعے سے آپ کو یاد آ جائے گا کہ بارِش کی کمی' عام خشک

© NCERT not to be republished

سالی، زرعی پیداوار میں کمی، غذائی قلت، زرمبادلہ میں گراوٹ، صنعتی پیداوار اور درآمدات میں کمی، فوجی اخراجات میں عمودی اضافہ اور منصوبہ بندی اور ترقی کے وسائل کی ایک جانب سے دوسری جانب منتقلی کی وجہ سے یہ زمانہ زبردست اقتصادی بحران کا زمانہ تھا۔ اندرا گاندھی کی حکومت کے پہلے فیصلوں میں سے ایک زرمبادلہ میں روپیے کی قیمت کو گھٹانا تھا۔ عام طور سے خیال یہ تھا کہ یہ فیصلہ امریکہ کے دباؤ میں آکر کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے ایک امریکی ڈالر کی قیمت پانچ روپیے سے بھی کم تھی لیکن قیمت میں کمی کے بعد ایک ڈالر کی قیمت سات روپیے سے زیادہ ہوگئی۔

اقتصادی صورت حال نے قیمتوں میں اضافے کا سلسلہ شروع کردیا۔ لوگوں نے بڑھتی ہوئی قیمتوں، غذا کی کم یابی، بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور عام اقتصادی بدحالی کے خلاف ملک بھر میں مظاہرے کیے۔ اور ملک کے طول وعرض میں بند اور ہڑتالیں عام ہو گئیں۔ حکومت نے ان مظاہروں کو لوگوں کے مسائل کے اظہار کا ذریعہ سمجھنے کے بجائے امن اور قانون کا مسئلہ سمجھا۔ جس نے عوام کی تلخی کو اور بڑھا دیا اور عوامی ناراضگی اور بے اطمینانی کو بھی تقویت پہنچائی۔

کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیوں نے بہتر مساوات کے لیے جدوجہد شروع کرنے کا اعلان کیا۔ اگلے باب میں آپ پڑھیں گے کہ کس طرح ایک کمیونسٹ گروہ نے جو کمیونسٹ

راجستھان کے ایک گاؤں میں الیکشن

یہ 1967 کے اسمبلی الیکشن کے بارے میں ایک کہانی ہے۔ چوموکے حلقۂ انتخاب میں اصل ٹکّر کانگریس اور سوتنتر پارٹی کے درمیان تھی۔ لیکن دیوی سار گاؤں کے اپنے سیاسی محرکات تھے اور یہ دونوں پارٹیوں کے مقابلہ میں کچھ الجھ کے رہ گیا۔ روایتی طور سے یوں تو گاؤں کی سیاست پر شیر سنگھ کا قبضہ تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کا بھتیجہ بھیم سنگھ ایک زیادہ مقبول لیڈر اور اس کے حریف کی حیثیت سے ابھر رہا تھا۔ دونوں ہی راجپوت تھے لیکن بھیم سنگھ کو غیر راجپوتوں کی حمایت بھی حاصل تھی کیوں کہ پنچایت پر دھان بننے کے بعد اس نے ان کی ضروریات کی طرف توجہ دی تھی۔ اس طرح اس نے ایک نئی مساوات بنائی راجپوت اور غیر راجپوت کے اتحاد کی۔

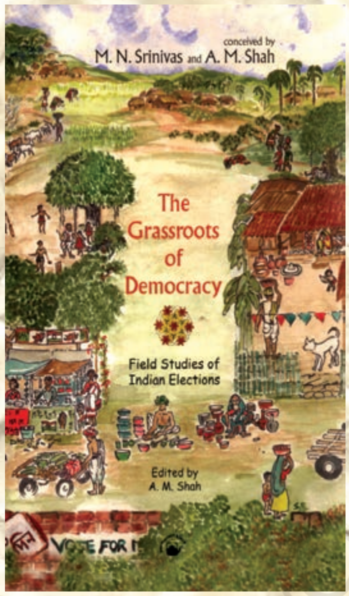

اس نے گاؤں بھر میں سمجھوتے اور اتحاد کرنے میں اپنی مہارت کا مظاہرہ دوسرے گاؤں میں پردھان کے امیدواروں کی حمایت کرکے کیا۔ اس نے کانگریس کے لیڈر اور ریاست کے وزیر اعلیٰ موہن لال سکھاڈیا کے پاس ایک وفد لے جانے میں بھی پیش قدمی کی تاکہ وہ پڑوس کے گاؤں میں بسے اپنے ایک دوست کے نام کو اسمبلی الیکشن کے لیے پیش کرے اور زور ڈالے۔ لیکن جب موہن لال سکھاڈیا نے اس کو کسی اور نام کے لیے راضی کرلیا تو اس نے دوسرے لوگوں کو سمجھانا شروع کیا کہ ان کو پارٹی کے امیدوار کے لیے کام کرنا چاہیے۔ بھیم سنگھ کو معلوم تھا کہ اس حلقۂ انتخاب سے جیتنے والا امیدوار ضرور وزیر بنے گا اور اس طرح وہ پہلی بار ایک وزیر سے براہ راست رابطہ رکھ سکے گا!

شیر سنگھ کے پاس سوتنتر پارٹی کے امیدوار کی، جو ایک جاگیردار تھا، حمایت کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ جاگیردار گاؤں کا اسکول بنانے میں مدد کرے گا اور گاؤں کی ترقی کے لیے اپنے وسائل کا استعمال کرے گا تو کم سے کم دیوی سار گاؤں میں اسمبلی کا الیکشن چاچا بھتیجے کی ٹولیوں کا جھگڑا بن گیا تھا۔

(آنند چکروتی کے 'راجستھان کے چوموحلقۂ انتخاب کا ایک گاؤں' پر مبنی)

© NCERT not to be republished

پارٹی آف انڈیا (مارکسٹ) سے الگ ہوکر ایک نئی پارٹی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (مارکسٹ۔لینن وادی) قائم کی اور مسلّح زرعی جدو جہد اور کسانوں کے منظّم احتجاج کی قیادت کی۔اسی دوران آزادی کے بعد سے ہندوستان میں سب سے زبردست ہندو مسلم فسادات ہوئے۔

غیر کانگریسیت

ایسی صورت حال ملک کی جماعتی سیاست سے الگ نہیں رہ سکتی تھی۔ حکومت پر دباؤ ڈالنے اور عوامی مظاہرے منظّم کرنے میں اپوزیشن پارٹیاں پیش پیش تھیں۔کانگریس مخالف پارٹیوں نے محسوس کیا کہ ان کے ووٹوں کی تقسیم کی وجہ سے کانگریس اقتدار میں رہتی ہے۔اس طرح بالکل ہی متضاد اور مختلف نظریات اور لائحہ عمل رکھنے والی پارٹیوں نے کچھ ریاستوں میں کانگریس مخالف محاذ بنایا اور کچھ میں انتخابی نشستوں کے اوپر سمجھوتہ کیا۔ان کا خیال تھا کہ اندرا گاندھی کی ناتجربہ کاری اور کانگریس پارٹی کے اندرونی جھگڑے، ان کے لیے کانگریس حکومت کو اکھاڑ پھینکنے کا ایک سنہری موقع فراہم کر رہے ہیں۔ سوشلسٹ لیڈر رام منوہر لوہیا نے اس کو 'غیر کانگریسیت' کا نام دیا اور انھوں نے اس حکمت عملی کے دفاع میں نظریاتی ثبوت بھی مہیّا کیا۔ یعنی یہ کہ کانگریس کی حکمرانی غیر جمہوری اور غریب عوام کے مفاد کے خلاف تھی۔ لہٰذا غیر کانگریسی جماعتوں کا ایک ساتھ ہوجانا لوگوں کو پھر سے جمہوریت واپس دلانے کے لیے ضروری تھا۔

الیکشن کا نتیجہ

ایک عام بے زاری اور سیاسی طاقتوں کی دھڑے بندی کے پس منظر میں فروری 1967 میں لوک سبھا کا چوتھا جنرل الیکشن اور اسمبلیوں کے الیکشن ہوئے۔پہلی بار کانگریس عوام کا سامنا بغیر نہرو کے کر رہی تھی۔

قومی اور ریاستی سطح پر الیکشن کے نتائج نے کانگریس کو ہلا کر رکھ دیا۔اکثر سیاسی مبصرین نے الیکشن کے نتائج کو 'سیاسی زلزلہ' قرار دیا۔ اگر چہ 1952 کے

ہندوستان میں اگر موجودہ رجحان جاری رہا تو ایک منظم سوسائٹی کے ڈھانچے کا قیام ایک منظم شہری حکومت کے ڈھانچہ کی رسائی سے باہر ہو جائے گا۔ اقتدار اور انتظام فوج کے ہاتھوں میں چلا جائے گا کہ یہی اکیلا راستہ باقی بچے گا ......ہندوستان کو ایک جمہوری ڈھانچے کے اندر ترقی کرنے کا عظیم تجربہ ناکامیاب ہو چکا ہے۔

نیول میکسویل

'ہندوستان کی بکھرتی جمہوریت'، لندن ٹائمز میں شائع ایک مضمون 1967۔

سی۔نٹ راجن انادورائی (1909-1969)

1967 سے مدراس (تامل ناڈو) کے وزیر اعلیٰ؛ ایک صحافی، مقبول ادیب اور خطیب؛ پہلے مدراس صوبہ کی جسٹس پارٹی سے منسلک تھے بعد میں دراوڑ کڑگھم (1934) میں شامل ہوئے؛ 1949 میں DMK کو ایک سیاسی پارٹی بنایا؛ دراوڑ کلچر کے بہت بڑے حامی؛ ہندی کے نفاذ کے بہت بڑے مخالف اور ہندی مخالف مظاہروں کی قیادت کی؛ ریاستوں کے لیے زیادہ خودمختاری کی حمایت کی۔

رام منوہر لوہیا (1910-1967)

سوشلسٹ لیڈر، مفکر اور مجاہد آزادی؛ کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے بانیوں میں سے ایک؛ پارٹی تقسیم ہونے کے بعد سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر اور پھر سمیکت سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر؛ 1963 سے 1967 تک لوک سبھا کے ممبر؛ مین کائنڈ (Mankind) اور جن (Jan) کے بانی ایڈیٹر۔غیر یوروپین سوشلسٹ نظریے میں حصے داری کے لیے مشہور؛ نہرو کی غیر کانگریسیت کی حکمتِ عملی پر فوری حملہ کرنے کے لیے مشہور؛ پس ماندہ طبقوں کے لیے 'محفوظیت' کے حامی اور انگریزی کے زبردست مخالف۔

© NCERT not to be republished

اسمبلی الیکشن کے نتائج

1967

1967 کے اسمبلی الیکشن میں کانگریس کی اکثریت

1967 کے اسمبلی الیکشن میں کانگریس کو اکثریت حاصل نہیں ہوئی

راجستھان (کانگریس کو اکثریت تو حاصل نہیں ہوئی لیکن دوسروں کے ساتھ مل کر حکومت بنائی)

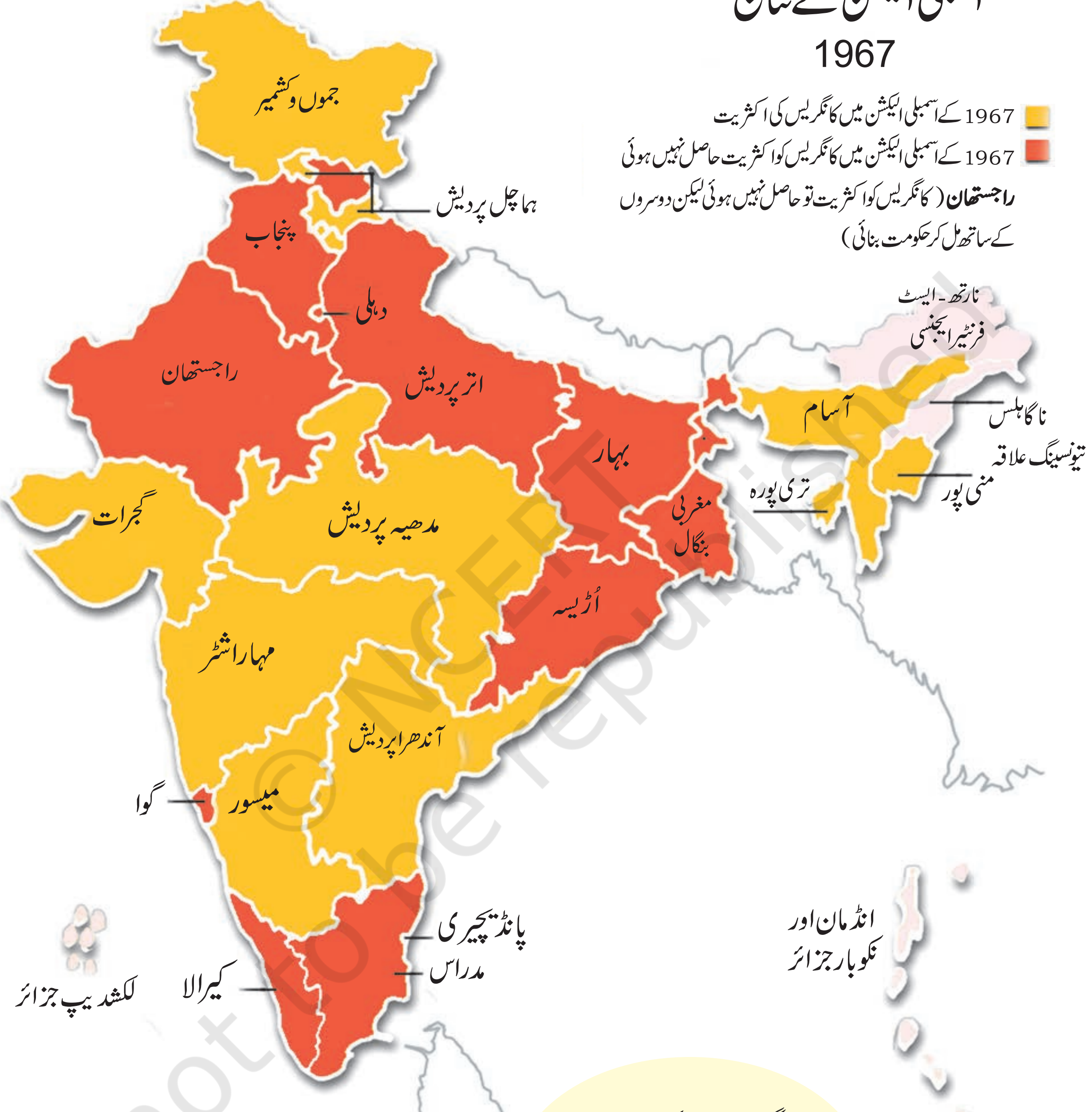

نوٹ: یہ نقشہ پیمانے کے مطابق نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو ہندستان کی بین الاقوامی سرحدوں کے لیے سند نہیں ماننا چاہیے۔

بعد کانگریس کی حمایت میں پڑنے والے ووٹوں اور جیتی ہوئی نشستوں کی تعداد سب سے کم تھی پھر بھی اس نے لوک سبھا میں اکثریت حاصل کر ہی لی۔ اندرا گاندھی کابینہ کے آدھے سے زیادہ وزیر ہار گئے۔ ہارے ہوئے دیوقامت لیڈروں میں تامل ناڈو میں کامراج، مہاراشٹر میں ایس۔ کے۔ پاٹل، مغربی بنگال میں اتولیہ گھوش اور بہار میں کے۔ بی۔ سہائے شامل تھے۔

آپ کو سیاسی تبدیلیوں کی ڈرامائی نوعیت ریاستی سطح پر زیادہ صاف نظر آئے گی۔ کم سے کم سات ریاستوں میں اکثریت کانگریس کے ہاتھ سے چلی گئی۔ دوسری دو ریاستوں میں کچھ ممبروں کے علاحدہ ہو جانے کی وجہ سے یہ حکومت نہ بنا سکی۔ وہ نو ریاستیں جہاں کانگریس کے ہاتھ سے حکومت نکل گئی ملک کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں جیسے پنجاب، ہریانہ، اترپردیش، مدھیہ پردیش، بہار، مغربی بنگال، اڑیسہ، مدارس اور کیرالہ۔ مدراس ریاست (اب تامل ناڈو) میں ایک علاقائی پارٹی دراوڑ منیترا کڑگھم یعنی ڈی ایم کے (DMK) واضح اکثریت کے ساتھ طاقت میں آئی۔ ڈی ایم کے، کے اقتدار میں آنے کی وجہ دراصل ہندی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے نافذ کرنے کی مرکزی سرکار کی پالیسی کے خلاف طلبا کے زبردست مظاہرے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ریاست میں ایک غیر کانگریسی پارٹی نے اپنے بل بوتے پر اکثریت حاصل کی ہو۔ بقیہ آٹھ ریاستوں میں مختلف غیر کانگریس پارٹیوں کی گٹھ جوڑ کی حکومت بنی۔ اس وقت ایک عام کہاوت تھی کہ اگر آپ ہاوڑہ سے دہلی تک کا سفر کریں تو کسی بھی کانگریسی حکومت کی ریاست سے نہ گزریں گے۔ جو لوگ کانگریس کو حکومت میں دیکھنے کے عادی تھے ان کے لیے یہ احساس عجیب تھا۔ تو کیا کانگریس کی بالادستی ختم ہوگئی تھی؟

گٹھ بندھن مخلوط حکومتیں

1967 کا الیکشن گٹھ بندھن کا مظہر سامنے لے کر آیا کیوں کہ کوئی بھی اکیلی پارٹی اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ لہٰذا کئی غیر کانگریس پارٹیوں نے آپس میں مل کر ایک مشترکہ محاذ بنایا جس کو سمیکت ودھائک دل یعنی اسمبلی کے ارا کین کی متحدہ جماعت کہا جاتا تھا اور جو غیر کانگریسی حکومت کا حامی تھا۔ اس لیے ان حکومتوں کو ایس وی ڈی (SVD) حکومتیں کہا جاتا تھا۔ ان میں زیادہ تر جگہوں پر گٹھ بندھن کے شریکِ کار نظریاتی طور پر الگ الگ تھے۔ مثال کے طور پر بہار کی ایس وی ڈی (SVD) حکومت میں دونوں سوشلسٹ پارٹیاں۔ ایس ایس پی (SSP) اور پی ایس پی (PSP) شامل تھیں اور بائیں بازو کی سی پی آئی (CPI) اور دائیں بازو کی جن سنگھ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ پنجاب میں اس کا نام مقبول متحدہ محاذ (Popular United Front-PUF) تھا اور یہ دو اکالی حریفوں سنت گروہ اور ماسٹر گروہ، دونوں کمیونسٹ پارٹی یعنی سی پی آئی اور سی پی آئی۔ ایم' ایس ایس پی ریپبلکن پارٹی اور بھاتیہ جن سنگھ پر مشتمل تھا۔

© NCERT not to be republished

کمیونسٹ پارٹی یعنی سی پی آئی اور سی پی آئی-ایم' ایس ایس پی ریپبلکن پارٹی اور بھارتیہ جن سنگھ پر مشتمل تھا۔

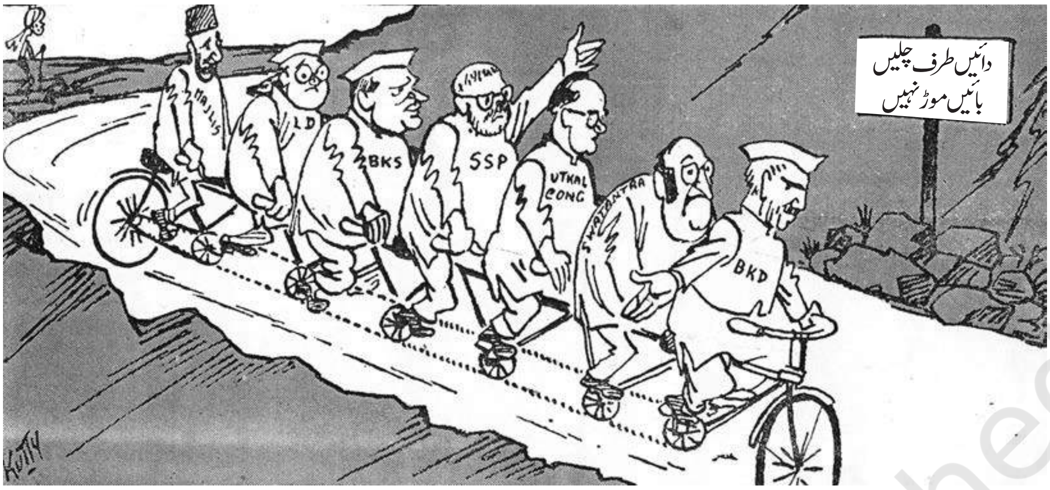

1974 میں غیر کمیونسٹ پارٹیوں کا متحدہ محاذ بنانے کے لیے چودھری چرن سنگھ کی کوشش پر ایک کارٹونسٹ کی رائے۔

دَل بدل یعنی ایک پارٹی سے علاحدگی اور دوسری میں شمولیت

1967 کے الیکشن کے بعد کی سیاست کی ایک دوسری خاصیت ریاستوں میں حکومتوں کے بنانے اور توڑنے میں دَل بدل (Defection) کا اہم کردار تھا۔ علاحدگی کا مطلب تھا کہ ایک منتخب نمائندہ اس پارٹی کو چھوڑ کر جس کے چناوَ نشان پر وہ الیکشن لڑا ہے کسی دوسری پارٹی میں چلا جائے۔ 1967 کے عام انتخابات کے بعد کانگریس کے باغی ممبروں نے ہریانہ، مدھیہ پردیش اور اتر پردیش کی تین ریاستوں میں غیر کانگریسی حکومت کو لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ وفاداریاں مستقل طور سے بدلتے رہنے کی وجہ سے اس زمانہ میں 'آیارام، گیارام' کی اصطلاح رائج ہوئی۔

'آیارام، گیارام' کی کہانی

اسمبلی کے ممبروں کے لگاتار دل بدل کی وجہ سے ہندوستانی سیاست کی لغت میں 'آیارام، گیارام' کی اصطلاح کافی مقبول ہوئی۔ لفظی ترجمہ میں اس کا مطلب ہوگا کہ رام آیا اور رام گیا لیکن اس اصطلاح کی ابتدا ہریانہ اسمبلی کے ایک ممبر گیالال کی حیرت انگیز دل بدلی سے ہوئی جس نے 1967 میں پندرہ دن کے اندر ہی اندر تین بار پارٹی بدلی۔ کانگریس سے یونائیٹڈ فرنٹ، پھر کانگریس میں واپس اور پھر صرف نو گھنٹے کے اندر یونائیٹڈ فرنٹ میں واپس۔ کہا جاتا ہے کہ جب گیالال نے اپنے یونائیٹڈ فرنٹ چھوڑنے اور کانگریس میں شمولیت کا ارادہ ظاہر کیا تو کانگریسی لیڈر راؤ بیریندر سنگھ اس کو چنڈی گڑھ پریس کے سامنے لائے اور کہا ''گیارام اب آیارام ہے''۔

گیالال کے اس عمل کو 'آیارام، گیارام' کی اصطلاح نے غیر فانی کر دیا اور اس نے کئی کارٹونوں اور لطیفوں کو بھی جنم دیا۔ بعد میں ایسی حرکت کو روکنے کے لیے دستور میں ترمیم کی گئی۔

© NCERT not to be republished

کانگریس میں تفرقہ

ہم نے دیکھا کہ 1967 کے الیکشن کے بعد کانگریس نے مرکز میں کم اکثریت کے ساتھ ہی سہی لیکن اپنا اقتدار برقرار رکھا۔ ساتھ ہی ساتھ کئی ریاستوں میں اس نے اپنی اکثریت بھی کھوئی۔ زیادہ اہم بات یہ تھی کہ نتائج نے یہ ثابت کردیا کہ کانگریس کو شکست دی جاسکتی ہے۔ لیکن اب بھی کانگریس کا کوئی متبادل موجود نہ تھا۔ ریاستوں میں اکثر غیر کانگریسی حکومتیں زیادہ نہیں چلیں۔ انھوں نے اکثریت کھودی۔ نتیجہ کے طور پر یا تو نئے اتحادی سمجھوتے ہوئے یا پھر مجبوراً صدر راج نافذ کرنا پڑا۔

اندرا بنام 'سنڈیکیٹ'

اندرا گاندھی کو اصل چیلنج اپوزیشن پارٹیوں سے نہیں بلکہ خود اپنی پارٹی کے اندر سے آیا۔ ان کا مقابلہ 'سنڈیکیٹ' سے تھا جو کانگریس کے بااثر اور طاقت ور لیڈروں کا گروہ تھا۔ سنڈیکیٹ نے اندرا گاندھی کو برسرِ اقتدار لانے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وہ پارلیمانی گروہ کی لیڈر چن لی جائیں۔ ان لیڈروں کا خیال تھا کہ اندرا گاندھی کو ان کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن رفتہ رفتہ اندرا گاندھی نے حکومت اور پارٹی میں اپنی الگ حیثیت

کے۔ کامراج (1903-1975):

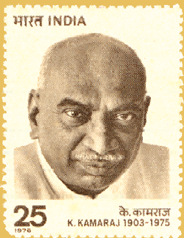

مجاہد آزادی اور کانگریس کے صدر؛ مدراس (تامل ناڈو) کے وزیر اعلیٰ؛ خود تعلیم سے محروم رہنے کے باوجود صوبہ مدراس میں تعلیم عام کرنے کی کوشش کی؛ اسکول کے طلبا کے لیے دن کے مفت کھانے کی اسکیم شروع کرائی؛ 1963 میں یہ تجویز پیش کی کہ تمام سینئر کانگریس کے ممبران نوجوان کانگریس ممبروں کے لیے جگہ بنانے کی غرض سے اپنی اپنی کرسی سے استعفیٰ دیں، یہ تجویز 'کامراج منصوبہ' کے نام سے مشہور ہے۔

کانگریس 'سنڈیکیٹ'

سنڈیکیٹ دراصل وہ غیر رسمی نام تھا جو کانگریسی لیڈروں کے اس گروپ کو دیا گیا تھا جو پارٹی کی تنظیم کو کنٹرول کرتا تھا۔ اس کی سربراہی، کے۔ کامراج جو تامل ناڈو کے سابق وزیر اعلیٰ اور کانگریس کے موجودہ صدر تھے، کرتے تھے۔ ریاستی سطح کے طاقت ور لیڈر جیسے بمبئی شہر (بعد میں ممبئی) کے ایس۔ کے۔ پاٹل، میسور (بعد میں کرناٹک) کے نجالن گپّا' آندھرا پردیش کے این سنجیوا ریڈی اور مغربی بنگال کے اتولیہ گھوش بھی اس میں شامل تھے۔ لال بہادر شاستری اور بعد میں اندرا گاندھی اپنے اپنے منصبوں کے لیے سنڈیکیٹ کی حمایت کے مرہون منت تھے۔ اندرا گاندھی کی پہلی وزارتی کاؤنسل میں اس گروپ کی بات فیصلہ کن ہوئی تھی۔ پالیسی بنانے اور اس کے نفاذ میں بھی ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ کانگریس کے ٹکڑے ہونے پر سنڈیکیٹ کے لیڈر اور ان کے حامی کانگریس (او) کے ساتھ رہے۔ لیکن اندرا گاندھی کی کانگریس (آر) عوام کی مقبولیت کے پیمانے پر کھری اتری۔ لہٰذا ہندستانی سیاست کے یہ سارے بڑے اور طاقت ور مرد میدان نے 1971 کے بعد اپنی طاقت اور وقار کھودیا۔

کرپوری ٹھاکر (1924-1988):

دسمبر 1970 سے جون 1971 تک اور دوبارہ جون 1977 سے اپریل 1979 تک بہار کے وزیر اعلیٰ؛ مجاہد آزادی اور سماج وادی لیڈر؛ کسانوں اور مزدوروں کی تحریک میں پیش پیش؛ لوہیا کے زبردست مرید؛ (JP) جے پرکاش کی شروع کی ہوئی تحریک میں حصّے دار؛ اپنی وزارت کے دوسرے دور میں بہار کے پس ماندہ طبقات کے لیے ریزرویشن لانے کا فیصلہ؛ انگریزی زبان کے استعمال کے زبردست مخالف۔

© NCERT not to be republished

اور شناخت کو منوانا چاہا۔ انھوں نے اپنے مشیروں کا انتخاب پارٹی کے باہر سے کیا۔ آہستہ آہستہ لیکن احتیاط کے ساتھ انھوں نے سنڈیکیٹ کو حاشیے پر رکھ دیا۔

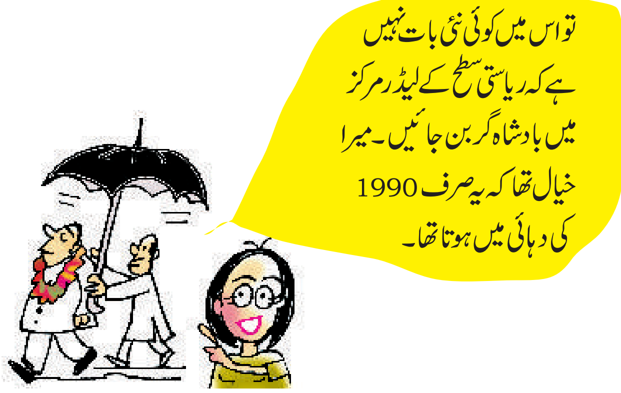

اندرا گاندھی نے دو چیلنجوں کا مقابلہ کیا۔ ایک تو وہ سنڈیکیٹ کی زنجیروں سے آزاد ہونا چاہتی تھیں دوسرے انھیں 1967 کے الیکشن میں کانگریس کا کھویا ہوا وقار واپس لانا تھا۔ اندرا گاندھی نے ایک بہت ہی جرأت مندانہ حکمت عملی اختیار کی۔ انھوں نے ایک سیدھی سادی طاقت کی رسہ کشی کو ایک نظریاتی کشمکش میں تبدیل کر دیا۔ انھوں نے کچھ ایسے اقدامات کیے جو حکومت کی پالیسی کو بائیں بازو کا رنگ دیتے تھے۔ انھوں نے مئی 1967 میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کو ایک دس نکاتی پروگرام بنانے کی ہدایت کی۔ اس پروگرام میں بینکوں کا سماجی کنٹرول، جنرل انشورنس کا قومیانا، شہری جائداد اور آمدنی پر حد بندی، اناج کی عوامی تقسیم، زمینی اصلاحات اور غریب دیہی علاقوں میں مکانوں کے لیے جگہ فراہم کرنا شامل تھے۔ اگر چہ 'سنڈیکیٹ' نے رسمی طور سے اس بائیں بازوں والے پروگرام کی منظوری دے دی لیکن اس معاملے میں وہ پوی طرح مطمئن نہیں تھے۔

ایس۔ نجالنگپّا (1902-2000): کانگریس کے بزرگ لیڈر؛ دستور ساز اسمبلی کے ممبر؛ لوک سبھا کے ممبر؛ اس وقت کی میسور ریاست (کرناٹک) کے وزیر اعلیٰ؛ جدید کرناٹک کے بانی؛ 1968 سے 1971 تک کانگریس کے صدر۔

صدارتی الیکشن، 1969

اندرا گاندھی اور سنڈیکیٹ کے درمیان حریفانہ کشمکش 1969 میں منظرِ عام پر آ گئی۔ اس سال صدر جمہوریہ ذاکر حسین کی موت کی وجہ سے صدارتی عہدے کی کرسی خالی ہو گئی۔ مسز گاندھی کے اختلافات کے باوجود 'سنڈیکیٹ' نے ان کے پرانے حریف اور اس وقت لوک سبھا کے اسپیکر این سنجیوا ریڈی کو آنے والے صدارتی الیکشن میں کانگریس کا باضابطہ امیدوار نامزد کر دیا۔ اس کے جواب میں اندرا گاندھی نے اس وقت کے نائب صدر وی۔ وی۔ گری کو ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے میدان میں اترنے کی حمایت کی۔ انھوں نے کئی بڑے اور مقبول پالیسی اقدام کا اعلان بھی کر دیا جیسے کہ چودہ بڑے پرائیویٹ بینکوں کو قومی ملکیت میں لینا، 'پریوی پرس' یعنی نوابوں اور راجاؤں کے جیب خرچ اور ان کو دی ہوئی مراعات کا خاتمہ۔ مرارجی ڈیسائی نائب وزیر اعظم اور وزیر خزانہ تھے۔ دونوں ہی مسئلوں پر ان کے اور وزیر اعظم کے

وی۔وی۔گری (1894-1980): 1969 سے 1974 تک ہندوستان کے صدر؛ آندھرا پردیش سے کانگریس کے کارکن اور مزدور لیڈر؛ سیلون (سری لنکا) میں ہندوستان کے ہائی کمشنر؛ مرکزی کابینہ میں وزیر محنت؛ اتر پردیش، کیرالہ اور میسور (کرناٹک) کے گورنر؛ نائب صدر (1967-1969)، صدر ذاکر حسین کے انتقال کے بعد قائم مقام صدر؛ استعفیٰ دیا اور آزاد امیدوار کی حیثیت سے صدارتی الیکشن لڑا؛ اور اس الیکشن میں انھیں اندرا گاندھی کی حمایت حاصل رہی۔

© NCERT not to be republished

درمیان زبردست اختلافات ہوئے اور نتیجے کے طور پر مرار جی ڈیسائی نے حکومت چھوڑ دی۔

کانگریس نے ماضی میں بھی اس قسم کے اختلافات دیکھے تھے۔لیکن اس بار دونوں ہی گروہ ایک فیصلہ کن مقابلے کے منتظر تھے اور یہ موقع صدارتی الیکشن کے وقت آیا۔ اس وقت کے کانگریس کے صدر ایس نجالن گپّا نے کانگریس کے ممبران پارلیمنٹ اور اسمبلی کو ایک حکم نامہ جاری کیا کہ وہ کانگریس کے سرکاری امیدوار سنجیوا ریڈی کے حق میں ووٹ دیں۔اندرا گاندھی کے حمایتیوں نے سرکاری طور سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی (AICC) کی خصوصی میٹنگ بلانے کا مطالبہ کیا جس کو مسترد کر دیا گیا۔ وی۔وی۔گری کی خاموش حمایت کے بعد وزیراعظم نے کھلے طور پر 'ضمیر کی آواز' پر ووٹ ڈالنے کے لیے کہا۔اس کا مطلب تھا کہ پارلیمنٹ اور اسمبلی کے کانگریسی ممبر جس کو مناسب سمجھیں ووٹ دیں۔ بالآخر الیکشن آزاد امیدوار وی۔وی۔گری کی فتح اور کانگریسی امیدوار سنجیوا ریڈی کی شکست پر ختم ہوا۔

کانگریس امیدوار کی شکست نے آخر کار پارٹی کے بٹوارے کو ایک رسمی شکل دے دی۔کانگریس کے صدر نے وزیراعظم کو پارٹی سے نکال دیا لیکن وزیراعظم کا دعویٰ تھا کہ ان کا گروپ ہی اصل کانگریس پارٹی ہے۔نومبر 1969 تک

بشکریہ: آر۔کے۔لکشمن، ٹائمز آف انڈیا، 21 اگست 1969

'The left hook' (بایاں مکّا)، یہ کارٹون وی۔وی۔گری (ہار پہنے ہوئے باکسر) سنڈیکیٹ کے نامزد امیدوار کے مقابلے فتح کے موقع پر شائع کیا گیا تھا۔ یہاں پر نجالن گپّا (گھٹنوں پر جھکے ہوئے) سنڈیکیٹ کی نمائندگی کر رہے ہیں۔

پریوی پرس کا خاتمہ

آپ پہلے باب میں نوابی ریاستوں کے انضمام کے بارے میں پڑھ چکے ہیں۔ اس انضمام سے پہلے ایک یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ نوابوں اور راجاؤں کی حکمرانی کے خاتمہ کے بعد ان کا خاندان ایک مخصوص پرائیویٹ جائداد رکھنے کا مجاز ہوگا اور ساتھ ہی ان کو ایک رقم بھی ان کی ریاست کی آمدنی اور دوسرے وسائل کے تناسب میں دی جائے گی۔ اس رقم کو 'پریوی پرس' کہتے ہیں۔ انضمام کے وقت ان مراعات پر زیادہ تنقید نہیں کی گئی کیوں کہ اس وقت اولین مقصد ان ریاستوں کا انڈین یونین میں انضمام اور الحاق تھا۔

لیکن یہ موروثی مراعات معاشی اور سماجی انصاف اور مساوات کے ان اصولوں سے ہم آہنگ نہیں ہوتی تھیں جو ہندستان کے آئین میں لکھے گئے ہیں۔ نہرو نے ان مراعات کے بارے میں کئی بار اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا۔ 1967 کے بعد اندرا گاندھی نے اس مطالبہ کی حمایت کی کہ حکومت کو 'پریوی پرس' ختم کر دینا چاہیے۔ مرار جی ڈیسائی نے بہر حال اس اقدام کو اخلاقی طور سے غلط بتایا اور کہا کہ یہ 'راجاؤں کے ساتھ معاہدہ اور یقین دہانیوں کی خلاف ورزی' ہے۔ حکومت نے اس سلسلے میں 1970 میں دستور میں ترمیم کرنی چاہی لیکن یہ ترمیم راجیہ سبھا میں پاس نہیں ہو سکی۔ پھر حکومت نے ایک فرمان (Ordinance) جاری کیا جس کو سپریم کورٹ نے خارج کر دیا۔ 1971 میں اندرا گاندھی نے اس کو الیکشن کا خاص موضوع بنایا اور عوامی حمایت حاصل کی۔ 1971 کے الیکشن میں ان کی بے پناہ کامیابی کے بعد دستور میں ترمیم کی گئی تا کہ پریوی پرس کے خاتمہ کی راہ میں جو قانونی رکاوٹیں حائل ہیں ان کو ہٹا دیا جائے۔

سنڈیکیٹ کی سربراہی والا کانگریس گروپ کانگریس آرگنائزیشن ((Congress (Organisation)) کے نام سے جانا جانے لگا اور اندرا گاندھی والا گروپ کانگریس (آر) ((Congress (Requisitionists)) کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کو پرانی کانگریس اور نئی کانگریس بھی کہا جاتا تھا۔ اندرا گاندھی نے پارٹی کے اس بٹوارے کو سماج وادی اور قدامت پرستوں، غریبوں کے ہمدردوں اور امیروں کے ساتھیوں کے درمیان تفریق قرار دیا۔

> تاریخ ایسے المیوں کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے جو جمہوریت کے سر پر آئے۔ جب ایک لیڈر جو جمہوری اداروں کی حمایت اور مقبول عوامی لہر پر سوار ہو کر اقتدار میں آیا اور پھر اپنی ہی سیاسی نرگسیت کا شکار ہو گیا ہو اور بددیانت چاپلوسوں کی ٹولی اس کو اکساتی رہی ہو------
>
> **ایس نجالن گپّا**
>
> 11 نومبر 1969 کو اندرا گاندھی کے نام ایک خط میں جس میں ان کو پارٹی سے نکال دیا گیا تھا۔

1971 کے انتخابات اور کانگریس کی بحالی

کانگریس کے بٹوارہ سے اندرا گاندھی کی حکومت اقلیت میں آ گئی۔ لیکن پھر بھی اقتدار میں رہی کیوں کہ کچھ مسائل پر دوسری پارٹیاں اس کی حمایت کر رہی تھیں جن میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا اور ڈی ایم کے بھی شامل تھی۔ اس درمیان حکومت نے شعوری طور سے اپنے آپ کو ایک سماج وادی حکومت کے رنگ میں پیش کیا۔ یہ وہی وقت تھا جب اندرا گاندھی نے فی زمانہ موجود زمینی اصلاح کے قانون کے نفاذ پر زور دیا اور اس کے علاوہ زمین کی سیلنگ کے لیے مزید قانون بنائے۔ خود کو دوسری پارٹیوں کے انحصار سے آزاد کرانے، پارلیمنٹ میں اپنی پارٹی کی پوزیشن مضبوط کرنے اور اپنے پروگرام کے لیے ایک عوامی حمایت حاصل کرنے کے پیشِ نظر دسمبر 1970 میں اندرا گاندھی کی حکومت نے لوک سبھا برخاست کر دینے کی سفارش کی۔ یہ ایک اور حیرت انگیز اور جرأت مندانہ قدم تھا۔ لوک سبھا کے لیے پانچواں عام انتخاب فروری 1971 میں کرایا گیا۔

© NCERT not to be republished

JEWELLERY
PEARLS, EMERALDS
RUBIES NAVRATAN
NEW DESIGNS
GIRDHARILAL

THE HINDUSTAN TIMES

Regd No D344 — New Delhi Saturday August 16 1969 — Eighteen Paise

KUTAB MINAR
ARTIST PENCILS

PM INSISTS ON FREE VOTE

Congress splits on historic day

No-confidence move against Nijalingappa

Hindustan Times Correspondent

New Delhi, Aug. 15—Confirming the worst fears of the past few

States trend shows no major change

A decision to stand by the mandate and an equally pronounced reiteration of the demand for a free vote in the Presidential poll marked the final phase of the campaign by rival Congress factions in the States. The following developments were reported on Thursday by Hindustan Times Correspondents:

1) Kashmir: Congress decided "almost unanimously" to vote for Mr Giri. There are [illegible] Congress members, [illegible] Jan Sangh, three National Conference and [illegible] independents in the Assembly. The three independents are voting for Mr Giri.

2) Punjab: Leader of the Congress Legislature Party Harinder Singh and PCC President Zail Singh have withdrawn their earlier whips asking members to vote for Mr Reddy.

3) Haryana: Twelve Congress MLAs decided to vote according to their conscience.

4) Gujarat: No change in Congress MLAs decision to stand by the party mandate.

5) Madhya Pradesh: The dismissal of Mr D. P. Mishra's election petition brought a lull in the "free vote" campaign. The Lok Sevak Dal ([illegible] seats) decided to give its first preference vote to Mr Reddy. Congress cross-voting will be substantial.

6) West Bengal: Congress whip was withdrawn. Members have been allowed to vote according to their conscience. Majority of the [illegible] Congress MLAs to vote for Mr Giri.

7) Assam: Congress members decided to stand by the [illegible]

شنکرس ویکلی، 20 جولائی 1969

1969 میں کانگریس پارٹی کے اندر قیادت کے مسئلے پر پیدا ہوئی رقابت کو کارٹون نویس کی نظر کس طرح دیکھتی ہے

مقابلہ

بظاہر مقابلے میں کانگریس (آر) کا پلّہ کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ آخر کار نئی کانگریس پرانی کمزور کانگریس ہی کا ایک حصہ تھی۔ ہر ایک کا خیال تھا کہ کانگریس کی اصل تنظیمی طاقت کانگریس (او) کے ہاتھ ہی میں ہے۔ اندرا گاندھی کے لیے حالات کو اور خراب بنانے کے لیے تمام غیر کمیونسٹ اور غیر کانگریسی اپوزیشن پارٹیوں نے مل کر ایک 'عظیم اتحاد' قائم کیا۔ ایس ایس پی، اور پی ایس پی، بھارتیہ جن سنگھ، سوتنتر پارٹی اور بھارتیہ کرانتی دل بھی اسی کے نیچے جمع ہو گئے۔ حکمراں پارٹی کا اتحاد کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا سے تھا۔

ان سب کے باوجود نئی کانگریس کے پاس وہ تھا جو اس کے مخالفین کے پاس نہیں تھا اور وہ تھا ایک مثبت نعرہ، مثبت پروگرام اور ایجنڈا۔ 'عظیم اتحاد' کے پاس کوئی مربوط سیاسی پروگرام نہیں تھا۔ اندرا گاندھی نے کہا کہ حزب مخالف اتحاد کے پاس صرف ایک مشترکہ پروگرام ہے اور وہ ہے 'اندرا ہٹاؤ'۔ اس کے جواب میں انھوں نے عوام کے سامنے ایک واضح اور تعمیری پروگرام پیش کیا جس کا اظہار 'غریبی ہٹاؤ' کے نعرہ میں کیا گیا۔ انھوں نے اپنی توجہ زیادہ تر پبلک سیکٹر کے فروغ، شہری جائداد اور دیہی آراضیوں کی حد پر پابندیوں، مواقع اور آمدنی کے فرق میں کمی اور راجاؤں کی مراعات کے خاتمہ پر رکھی۔ 'غریبی ہٹاؤ' کے ذریعہ اندرا گاندھی نے محروم طبقہ کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی جس میں بے زمین مزدور دَلت، آدی واسی، اقلیتیں، خواتین اور بے روزگار نوجوان شامل تھے۔ غریبی ہٹاؤ کا نعرہ اور اس کے بعد کا پروگرام اندرا گاندھی کی اس سیاسی حکمتِ عملی کا حصہ تھے جس کے ذریعے وہ ایک الگ، آزاد اور ملک گیر سیاسی حمایت حاصل کرنا چاہتی تھیں۔

نتیجہ اور اس کے بعد

1971 کے لوک سبھا کے الیکشن اتنے ہی حیرت انگیز تھے جتنا کہ الیکشن کرانے کا فیصلہ۔ کانگریس (آر) اور سی پی آئی کے اتحاد کو اتنی سیٹیں اور ووٹ حاصل ہوئے جو پچھلے چار عام انتخابات میں کانگریس کو نہیں ملے تھے۔ مشترکہ طور سے انھوں نے لوک سبھا کی 375 سیٹوں پر کامیابی حاصل کی اور 48.4 فی صد ووٹ حاصل کیے۔ اس میں محض کانگریس (آر) کے حصہ میں 352 سیٹیں اور 44 فی صد ووٹ تھے۔ اس کے برعکس کانگریس (او)، جس میں سیاست کے بڑے بڑے پہلوان شامل تھے، اندرا گاندھی کی پارٹی کے حاصل کیے ہوئے ووٹوں کا ایک چوتھائی حصہ ہی پا سکے اور اسے صرف 16 سیٹوں پر ہی کامیابی ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اندرا گاندھی کی پارٹی کا یہ دعویٰ سچ ثابت ہو گیا کہ وہی 'اصل' کانگریس ہے، ساتھ ہی ہندوستانی سیاست میں اس کی بالادستی بھی قائم ہے۔

اپوزیشن کا 'عظیم اتحاد' ایک عظیم ناکامی ثابت ہوا۔ اس کی تمام پارٹیوں کی جیتی ہوئی سیٹوں کی کل تعداد 40 سے کم تھی۔ 1971 کے لوک سبھا الیکشن کے فوراً بعد ہی مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں ایک بڑا سیاسی اور فوجی

© NCERT not to be republished

"مجھے یقین نہیں آتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں پہلے نمبر پر آ رہا ہوں، تم
دوسرے نمبر پر اور وہ تیسرے نمبر پر۔۔۔۔"

بشکریہ: آر۔ کے۔ لکشمن، ٹائمز آف انڈیا

'عظیم خاتمہ' (The Grand Finish)۔ 1971 کے الیکشن کے نتیجے پر ایک کارٹونسٹ کی ترجمانی۔ میدان پر دکھائے ہوئے کھلاڑی اس وقت کی حزب مخالف کی مشہور ومعروف شخصیات ہیں۔

بحران شروع ہوگیا۔ آپ چوتھے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ مشرقی پاکستان کا بحران 1971 کے الیکشن کے بعد پیدا ہوا جس کے نتیجے میں ہندوستان اور پاکستان میں جنگ ہوئی اور بنگلہ دیش وجود میں آیا۔ ان واقعات نے اندرا گاندھی کی مقبولیت میں مزید اضافہ کر دیا۔ حتیٰ کہ اپوزیشن لیڈر بھی اندرا گاندھی کی سیاسی مہارت کے قائل ہوگئے۔ 1972 میں ہونے والے ریاستی اسمبلیوں کے الیکشن میں ان کی پارٹی نے ہر ریاست میں کامیابی حاصل کی۔ ان کو پس ماندہ اور محروم طبقے کا مسیحا ہی نہیں بلکہ ایک قومی لیڈر تسلیم کیا جانے لگا۔ پارٹی کے باہر یا پارٹی کے اندر اندرا گاندھی کی مخالفت بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔

بشکریہ: آر۔ کے۔ لکشمن، ٹائمز آف انڈیا

بشکریہ: کٹی

اندرا گاندھی کے وزیر اعلیٰ چننے کے نئے طریقہ سے متاثر ہو کر یہ کارٹون بنایا گیا۔

© NCERT not to be republished

مرکز اور ریاستوں کے انتخابات میں دو مسلسل کامیابیوں کے بعد کانگریس کا غلبہ پھر سے واپس آ گیا۔ اب کانگریس تقریباً ساری ہی ریاستوں میں برسرِ اقتدار تھی۔ اس کے علاوہ کانگریس مختلف سماجی حلقوں میں بھی مقبول تھی۔ چار سال کے وقفہ کے اندر ہی اندرا گاندھی نے اپنی لیڈرشپ اور کانگریس کی بالادستی پر منڈلاتے ہوئے خطرات کا صفایا کر دیا۔

بحالی؟

لیکن کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ 'کانگریس سسٹم' بحال ہو گیا تھا؟ جو اندرا گاندھی نے کیا وہ پرانی کانگریس کا احیا بلکہ پارٹی کا ازسرنو اختراع تھا۔ اپنی مقبولیت کے اعتبار سے پارٹی ماضی ہی کی طرح تھی لیکن یہ ایک نئی قسم کی پارٹی تھی۔ اس کا انحصار پارٹی کے اعلیٰ ترین لیڈر کی مقبولیت پر تھا۔ اس کا تنظیمی ڈھانچہ بھی کچھ کمزور تھا۔ کیوں کہ اس کانگریس میں گروپ اور دھڑے نہیں تھے لہٰذا اس میں دوسرے نظریات اور مفادات کے لیے جگہ نہیں تھی۔ اس نے الیکشن تو جیتا لیکن اس کے اصل حمایت کے مرکز کچھ مخصوص سماجی طبقے جیسے غربا، خواتین، دلت، قبائلی لوگ اور اقلیتیں تھیں۔ یہ ایک نئی کانگریس تھی جو ظہور میں آئی۔ اس طرح اندرا گاندھی نے کانگریس سسٹم کی نوعیت کو بدل کر کانگریس سسٹم کو بحال کر دیا۔

اپنی بڑھی ہوئی ہر دل عزیزی کے باوجود نئی کانگریس ان دوسرے دباؤں اور اختلافات کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت سے محروم تھی جو 'کانگریس سسٹم' کا طرّہ امتیاز تھا۔ جب کہ کانگریس نے اپنی طاقت کو مستحکم کیا اور اندرا گاندھی

ایک بے مثال سیاسی قوت بن گئی۔ لیکن لوگوں کی امیدوں کے جمہوری طرز اظہار کی گنجائش سمٹ کر رہ گئی۔ معاشی استحصال اور ترقی کے مسائل سے متعلق عوامی بے چینی بڑھتی رہی۔ اگلے باب میں آپ پڑھیں گے کہ اس صورت حال نے کس طرح ایک ایسے سیاسی بحران کو جنم دیا جس نے ملک میں دستوری جمہوریت کے وجود ہی کو خطرے میں ڈال دیا۔

آیئے ایک فلم دیکھیں

زنجیر

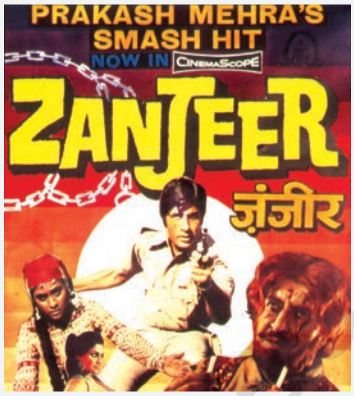

ایک نوجوان پولیس افسر، وجے کو جب وہ غنڈوں سے مقابلہ کر رہا تھا جعلی الزامات لگا کر جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ جیل سے باہر آ کر وجے انتقام لینے کا تہیّہ کرتا ہے۔ وہ تمام رکاوٹوں کا سامنا کرتے ہوئے برے عناصر کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ اپنی انتقامی کارروائی کے دوران بھی وجے سماج دشمن عناصر سے لڑتا رہتا ہے، اور خود ہی ان ہی کے سسٹم سے اس کو مدد اور حمایت ملتی ہے۔

یہ فلم مٹتی ہوئی اخلاقی قدروں سے پیدا ہونے والے زبردست اور طاقت ور احساسِ محرومی کی تصویر کشی کرتی ہے۔ یہ فلم سسٹم کی لاپرواہی کو پیش کرتی ہے، اور وجے کے غصّے کے ذریعے سخت اور آتشیں احتجاج کے پھوٹ پڑنے کو ظاہر کرتی ہے۔ اس فلم نے ایک رجحان قائم کیا جس کو 1970 کی دہائی کا غضب ناک نوجوان (The Angry Youngman) کہا گیا۔

سال : 1973
ہدایت کار : پرکاش مہرا
اسکرین پلے : جاوید اختر
اداکار : امیتابھ بچن، اجیت، جیا بھادری، پران

یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک میز کے پاؤں اور اوپری حصہ کو بدل دیا جائے اور پھر بھی اس کو میز کہا جائے! پرانی اور نئی کانگریس میں مشترکہ خصوصیت کیا تھی؟

مشقیں

1۔ 1967 کے الیکشن کے متعلق کون سا بیان درست ہے؟

(a) کانگریس لوک سبھا کا الیکشن جیت گئی لیکن کئی ریاستوں کے اسمبلی الیکشن میں ہار گئی۔

(b) کانگریس کو لوک سبھا اور اسمبلی دونوں کے الیکشن میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

(c) کانگریس نے لوک سبھا میں اکثریت کھودی مگر دوسری پارٹیوں کی مدد سے ایک مخلوط حکومت بنالی۔

(d) کانگریس مرکز میں ایک اضافی اکثریت کے ساتھ برسرِ اقتدار رہی۔

2۔ جوڑی بنایئے:

(a) سنڈیکیٹ (Syndicate)	i. ایک منتخب نمائندہ جو اس پارٹی کو چھوڑ دے جس کے نشان پر وہ الیکشن جیتا ہے۔
(b) دَل بدل (Defection)	ii. عوام کی توجہ مبذول کرانے کے لیے دل فریب الفاظ
(c) نعرہ (Slogan)	iii. مختلف نظریات رکھنے والی پارٹیوں کا کانگریس اور اس کی پالیسیوں کے خلاف اتحاد
(d) غیر کانگریسیت (Anti-Congressism)	iv. کانگریس کے اندر طاقت ور اور بارسوخ لیڈروں کا ایک گروپ

3۔ مندرجہ ذیل نعروں کو آپ کن سے منسلک کریں گے؟

(a) جے جوان، جے کسان

(b) اندرا ہٹاؤ!

(c) غریبی ہٹاؤ!

4۔ 1971 کے 'عظیم اتحاد' کے بارے میں کون سا بیان درست ہے؟

عظیم اتحاد ....

(a) غیر کمیونسٹ اور غیر کانگریسی پارٹیوں نے بنایا تھا۔

(b) کا ایک واضح سیاسی اور نظریاتی پروگرام تھا۔

(c) تمام غیر کانگریسی پارٹیوں نے قائم کیا تھا۔

5۔ ایک سیاسی پارٹی کے اندر جھگڑے ختم کرنے کے کیا طریقے ہو سکتے ہیں؟ نیچے کچھ تجاویز دی جارہی ہیں۔ان میں سے ہر ایک پر غور کرنے کے بعد اس کی خوبیاں اور خامیاں بیان کیجیے۔

(a) پارٹی کے صدر کے نقشِ قدم پر چلیے

© NCERT not to be republished

(b) اکثریتی گروپ کی بات مانیے
(c) ہر مسئلہ پر خفیہ ووٹنگ کرائیے
(d) پارٹی کے بزرگ اور تجربہ کار لیڈروں سے مشورے کیجیے۔

6۔ 1967 کے الیکشن میں کانگریس کی شکست کے اسباب میں سے مندرجہ ذیل کون سا سبب تھا؟
(a) کانگریس میں ایک ہر دل عزیز اور دل فریب لیڈر کی عدم موجودگی
(b) کانگریس پارٹی کے اندر کی تفریق
(c) نسلی علاقائی اور مذہبی گروپوں کا ابھرنا
(d) غیر کانگریسی پارٹیوں کا بڑھتا ہوا آپسی تال میل
(e) کانگریس پارٹی کے اندرونی اختلافات

7۔ 1970 کے شروع کی دہائی میں اندرا گاندھی کی حکومت کی مقبولیت کے کیا اسباب تھے؟

8۔ ساٹھ کی دہائی میں کانگریس کے حوالے سے 'سنڈیکیٹ' کا کیا مطلب تھا؟ سنڈیکیٹ نے کانگریس پارٹی میں کیا کردار ادا کیا تھا؟

9۔ ان خاص خاص سوالوں پر بحث کیجیے جنھوں نے 1969 میں کانگریس کو باضابطہ طور سے بانٹ دیا۔

10۔ پیراگراف کو پڑھیے اور درج سوالوں کا جواب دیجیے:

"کانگریس کی اس وفاقی جمہوری اور نظریاتی تنظیم کو جس کی رہنمائی نہرو نے کی تھی اندرا گاندھی نے ایک طاقت ور محوری اور غیر جمہوری ادارے میں بدل دیا ...لیکن یہ... اس وقت تک نہیں ہوسکتا تھا جب تک کہ اندرا گاندھی پوری سیاست ہی کو نہ بدل دیتیں۔ نئی مقبول سیاست نے سیاسی نظریوں کو محض الیکشن کی بیان بازی اور ان نعروں تک محدود کردیا جسے عملی شکل دینا کسی کا مقصد نہ تھا ...1970 کی الیکشن کی کامیابیوں اور جشن کی سرشاریوں کے درمیان کانگریس ایک سیاسی تنظیم کی حیثیت سے مر گئی"..... سُدیپتا کوی راج

(a) مصنفہ کے نزدیک نہرو اور اندرا گاندھی کی حکمت عملیوں میں کیا فرق ہے؟
(b) مصنفہ یہ کیوں کہتی ہیں کہ 1970 کی دہائی میں کانگریس پارٹی 'مرگئی'؟
(c) کانگریس پارٹی کے اندر جو تبدیلیاں آئیں انھوں نے کس طرح دوسری سیاسی پارٹیوں کو بھی متاثر کیا؟

© NCERT not to be republished

آیئے اسے مل کر کریں

- سیاسی پاٹیوں کے دیے گئے نعروں کی فہرست بنایئے۔
- سیاسی پارٹیوں میں کیا آپ کو منشوروں اور اشتہاروں، نعروں اور اشتہارات میں کوئی مشابہت نظر آتی ہے؟
- اس موضوع پر بحث کیجیے کہ قیمتوں میں اضافہ سیاسی پارٹیوں کی قیمت کو کس طرح متاثر کرتا ہے۔

© NCERT not to be republished